Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اہل سنت کے اجتہادی مکاتب فکر؛ایک تقابلی مطالعہ

عظمیٰ عباس*
مصباح عباس**
ڈاکٹر آصف جاوید***

اللہ تعالیٰ کے آخری اور حتمی سرچشمہ ہدایت کا نام دین اسلام ہے اور اسلام کی جامعیت اور عالمگیریت کا مظہر دراصل اسلام کا تصور اجتہاد ہے۔یہی وجہ ہے کہ اہل علم و دانش ہمیشہ ہی سے اجتہاد کو بروئے کار لاتے رہے ہیں۔افتاد طبع میں اختلاف کے باعث اربابِ اجتہاد کے دو مکاتب فکر وجود میں آئے،علامہ شہرستانی نے انہیں اصحاب حدیث اور اصحاب رائے کا نام دیا ہے جبکہ بعض مسلم دانشوروں نے انہیں اہل رائے اور اہل حدیث کے نام سے بھی تعبیر کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ علمائے اہل سنت کے ایک گروہ کو اہل حدیث اور دوسرے کو اہل رائے کا لقب کیوں دیا گیا؟ کیا اہل حدیث نے قیاس اور رائے کا مطلقا انکار کر دیا تھا؟ اورکیا اہل رائے کو حدیث سے استفادہ کرنے کا قطعا موقع نہ مل پایا تھا؟ اور انہوں نے اپنی رائے ہی کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا ؟ دوسرے الفاظ میں اہل حدیث اور اہل رائے کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

مقالہ ہذا میں انہی سوالات کا تحقیقی جواب پیش کیا گیا ہے کہ اہل سنت کے اجتہاد ی مکاتب فکر کا تاریخی پس منظر کیا ہے،اہل حدیث اور اہل رائے کی وجہ تسمیہ کیا ہے،مذکورہ اجتہادی مکاتب فکر کے بانی کون ہیں اور ان کے مابین جوہری فروق کیا پائے جاتے ہیں؟ مقالہ ہذا کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ کون سے اہل علم، اجتہاد کے مختلف سرچشموں سے سیراب ہوئے ہیں اور موجودہ زمانے میں اہل علم و دانش کو مختلف اجتہادی مکاتب فکر سے یکساں استفادے کی کس قدر ضروت ہے!

اجتہادی مکاتب فکر کا تاریخی پس منظر:

فقہ اسلامی کے باب میں اہل حدیث اور اہل رائے کی تاریخ بہت پرانی ہے۔بعض اہل علم کاخیال یہ ہے کہ مختلف صحابہ کرامؓ کے مزاج باہم مختلف تھے، جو مستقبل میں اہل حدیث اور اہل رائے کی اس تقسیم کی بنیاد بنے ہیں۔خلافت راشدہ کے دوران ہی بعض فقہائے صحابہ بڑے بڑے اسلامی شہروں میں پھیل گئے جہاں انہوں نے علمی مجالس قائم کیں۔صحابہ کرامؓ سے استفادہ کرنے والے تابعین عظامؒ کی تعداد بہت زیادہ تھی اورانہی تابعین نے صحابہ کے بعد ان شہروں میں افتاءوتدریس کی مسند کو سنبھالاچنانچہ تابعین کے زمانہ میں حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کے طبعی رجحان کی بنا پر اہل حدیث اور اہل رائے کا گروہ پیدا ہوا ،جن کا اختلاف فقہ و اجتہاد کے باب میں ایک مستقل مکتبہ فکر کی شکل اختیار کر گیا۔

محمد بن عبدالکریم شہر ستانیؒ نے رقم فرمایا ہے:

"ثم المجتہدون من ائمۃ الامۃ محصورون فی صنفین لا یعدوان الی ثالث اصحاب الحدیث و اصحاب الرای۔" (1)

" امت مسلمہ کے اصحاب اجتہاد دو قسم پرہیں، ان کے علاوہ تیسری قسم نہیں ہے اور یہ اصحاب حدیث اور اصحاب رائے ہیں۔"

* ایم فل علوم اسلامیہ، شعبہ اسلامی فکر وتہذیب،یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی،لاہور، پاکستان
** ایم فل علوم اسلامیہ، شعبہ اسلامی فکر وتہذیب،یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور، پاکستان
***لیکچرر(وزٹنگ)،شعبہ علوم اسلامیہ،یونیورسٹی آف اوکاڑہ،اوکاڑہ،پاکستان

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مذکورہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد کے باب میں ابتداءعلمائے اہل سنت کی دو اقسام تھیں، جن کو جناب شہرستانیؒ نے اصحاب حدیث اور اصحاب رائے کا نام دیا ہے۔علامہ ابن خلدونؒ نے اسی اختلاف کو فقہ کے اختلاف سے تعبیر کیا ہے اور اصحاب حدیث کو اہل حدیث اور اصحاب رائے کو اہل رائے کا نام دیا ہے اور ساتھ یہ بھی واضح کیا ہے کہ اہل حجاز کو اہل حدیث کا اور اہل عراق کو اہل رائے کا لقب دیا گیا تھا۔علامہ ابن خلدونؒ نے رقم کیا ہے:

"انقسم الفقہ فیھم الی طریقتین طریقۃ اہل الرای والقیاس وھم اہل العراق وطریقۃ اہل الحدیث وھم اہل الحجاز۔" (2)

" فقہ اسلامی دومناہج میں منقسم ہوئی ہے۔ایک اہل را ئے اور اہل قیاس کا طریق کہلایا اور وہ اہل عراق تھے اور دوسرا اہل حدیث کا منہج قرار پایا اور وہ اہل حجاز تھے۔"

اجتہادی مکاتب فکر کے بانیان:

اہل حدیث کے مکتبہ فکر کے بانی امام مالکؒ ہیں اور ان کے بعد امام مالکؒ کے شاگرد امام شافعیؒ اور ان کے بعد امام شافعیؒ کے شاگرد امام احمد بن حنبلؒ نے اس مکتبہ فکر کی متنوع جہات کی بنیاد ر کھی ہے۔امام احمد بن حنبلؒ کے بعد ان کے شاگرد امام ابوداؤدؒ اور امام ابوداؤدؒ کے شاگرد امام ترمذیؒ نے محدثین عظام کے طورپر اہل حدیث کی آر اءکو متعارف کروایا۔امیرالمومنین فی الحدیث علی بن مدینیؒ کے شاگرد امام بخاریؒ نے بھی اہل حدیث کے فقہی ذخیرہ میں بیش قیمت آراءکا اضافہ کیا۔

محمد بن عبدالکریم شہر ستانیؒ فرماتے ہیں:

"فاصحاب الحدیث وھم اہل الحجاز ھم اصحاب مالک بن انس واصحاب محمد بن ادریس الشافعی و اصحاب سفیان الثوری و اصحاب احمد بن حنبل و اصحاب داود بن علی بن محمد الاصفہانی۔" (3)

" اصحاب حدیث سے مراد اہل حجاز ہیں، ان میں امام مالک بن انسؒ، امام محمدبن ادریس شافعیؒ، سفیان ثوریؒ اور ان کے اصحاب، امام احمد بن حنبلؒ، امام داؤد بن علی اصفہانیؒ وغیرہ شامل ہیں۔"

حضرت ابراہیم نخعیؒ کو اہل رائے کا بانی ہونے کا شرف حاصل ہے۔امام ابو حنیفہؒ ایک واسطہ سے آپ کے شاگرد ہوئے ہیں اور انہوں نے اصول و فروع میں آپ ہی کا تتبع کیا ہے۔امام صاحبؒ کے عہد میں اہل حدیث اور اہل رائے کا اختلاف مزید کھل کر سامنے آگیا تھا چنانچہ آپ کو اہل رائے کا امام اول قرار دیا گیا ہے۔آپ کے تلامذہ خصوصا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو بھی اہل رائے میں شمار کیا جاتا ہے۔علامہ ابن خلدونؒ رقم طراز ہیں:

"ومقدم جماعتھم الذی استقر المذہب فیہ وفی اصحابہ ابوحنیفۃ۔" (4)

"امام ابو حنیفہؒ وہ شخص ہیں ، جو اہل رائے کے سردار ہیں۔آپؒ کے اصحاب اور ان کی جماعت میں یہ مذہب قائم ہوا ہے۔"

اجتہادی مکاتب فکر کی وجہ تسمیہ:

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علمائے اہل سنت کے ایک گروہ کو اہل حدیث اور دوسرے کو اہل رائے کا لقب کیوں دیا گیا؟ کیا اہل حدیث نے قیاس اور رائے کا مطلقا انکار کر دیا تھا؟ ا ورکیا اہل رائے کو حدیث سے استفادہ کرنے کا قطعا موقع نہ مل پایا تھا؟ اور انہوں نے اپنی رائے ہی کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا ؟ دوسرے الفاظ میں اہل حدیث اور اہل رائے کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حجاز کا گروہ حدیث رسول کی تلاش اور اس کی روایت میں خاصا سرگرم تھا۔وہ قرآن و سنت کی نصوص یا احادیث و آثار ہی سے استفادہ کرتا تھا اور جب تک انہیں کسی مسئلہ میں کوئی حدیث یا اثر دستیاب نہ ہو جاتا، وہ کسی قسم کی رائے یا قیاس کو اہمیت نہ دیتا تھا۔حدیث رسول کے ساتھ اسی تمسک اور قیاس کے متعلق اسی تحفظ کی بنا پر انہیں اہل حدیث کا لقب دیا گیا۔علامہ شہرستانیؒ رقم فرما ہیں:

"وانما سموا اصحاب الحدیث لان عنایتھم بتحصیل الحدیث ونقل الاخبار وبناءالاحکام علی النصوص ولا یرجعون الی القیاس الجلی والخفی ما وجدوا خبر ا او اثرا۔" (5)

"انہیں اصحاب حدیث کا نام اس لئے دیا گیاہے کہ وہ حدیث کو حاصل کرنے اور اسے نقل کرنے کا بہت اہتمام کرتے ہیں اورکتاب وسنت کی نصوص پر فتویٰ کی بنیاد رکھتے ہیں اور اگر کوئی روایت یا اثر موجود ہو تا، اس کی موجودگی میں کسی قیاس جلی یا خفی کے قائل نہیں ہیں۔"

اہل حجاز کے علاوہ دوسرا گروہ اہل عراق کا تھا، جو حدیث کی تلاش و جستجو میں اہل حدیث کی مانند سرگرم نہیں تھا بلکہ ان کا زیادہ تر مدار رائے اور قیاس پر تھا اور وہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں فقہاءعظام کی آراءہی سے استنباط کیا کرتا تھا بلکہ بعض دفعہ قیاس کو حدیث پر مقدم بھی کر دیتا تھا۔ قیاس کے اس اہتمام اور حدیث سے اس قدر احتیاط کی بنا پر انہی اہل رائے کا نام دیا گیا۔علامہ شہرستانیؒ رقم فرما ہیں:

"وانما سموا اصحاب الرای لان عنایتھم بتحصیل وجہ من القیاس والمعنی المستنبط من الاحکام وبناءالاحوادث علیھا وربما یقدمون القیاس الجلی علی اخبار الاحاد۔" (6)

"ان کو اہل رائے اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کا زیادہ قصد قیاس اور استنباط کی جانب تھا اور وہ اکثر اسی پر احکام کی بنا رکھتے ہیں اور بہت دفعہ واضح قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں۔"

اہل عراق کو حدیث رسول سے معاذ اللہ کوئی انکارنہ تھا اور نہ ہی انہوں نے حدیث کا استخفاف کیا تھا بلکہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ بہت کم تھا اور اس عہد میں فتنہ وضع حدیث نے بھی سر اٹھا رکھا تھا چنانچہ انہوں نے احتیاط کے پیش نگاہ حدیث کی تلاش و جستجو اور اس کی نقل و روایت کا فریضہ سر انجام نہ دیا اور قیاس کا استعمال زیادہ کیا۔

علامہ ابن خلدونؒ رقم طراز ہیں:

"وکان الحدیث قلیلا فی اہل العراق لما قدمناہ فاستکثروا من القیاس ومہروا فیہ فلذلک قیل لھم اہل الرای۔" (7)

" اہل عراق میں حدیث کم تھی چنانچہ انہوں نے قیاس سے بہت زیادہ کام لیا اور اس میں مہارت حاصل کی۔اسی باعث وہ اہل رائے کہلائے ہیں۔"

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اہل حجاز کو بھی قیاس سے مطلقا انکار نہ تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اہل حجاز کا گروہ حدیث کی تلاش و جستجو اور نقل و روایت میں ہی مشغول رہتا تھا یہی باعث ہے کہ ان کے پاس احادیث و آثار کا وسیع ذخیرہ موجود تھا اور پیش آمدہ مسائل میں انہیں قیاس کی خاص ضرورت نہ تھی۔حضرت شاہ ولی اللہؒ رقم کرتے ہیں:

"وکان من خبر الخاصة انہ کان اہل الحدیث منہم یشتغلون بالحدیث فیخلص الیہم من احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآثار الصحابة ما لا یحتاجون معہ الی شی آخر فی المسئلة ۔" (8)

"اور خواص میں سے جو اہل حدیث تھے ، وہ حدیث کے ساتھ مشغول رہتے چنانچہ ان کے پاس احادیث نبویہ اور آثار صحابہ اس قدر پہنچتے کہ کسی مسئلہ میں بھی انہیں کسی اور چیز کی ضرورت نہ رہتی۔"

مذکورہ اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیث اور اہل رائے کی وجہ تسمیہ اصلاً رائے کا استعمال یا عدم استعمال نہیں ہے کہ جو گروہ رائے و قیاس کا قائل نہیں ہو گا، اسے اہل حدیث قرار دیا جائے گا اور جو گروہ قیاس و استنباط کرے گا یا اس پر قدرت رکھتا ہو گا، اسے اہل رائے قرار دیا جائے گا کیونکہ امام مالک، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ وغیرہم قیاس و استنباط کرتے ہیں، اس کے باوجود متفقہ طور پر وہ اہل رائے نہیں بلکہ اہل حدیث ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ رقم کرتے ہیں:

"بل المراد من اہل الرای قوم توجہوا بعد المسائل المجمع علیہا بین المسلمین او بین جمہورہم الی التخریج علی اصل رجل من المتقدمین وکان اکثر امرہم حمل النظیر علی النظیر والرد الی اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والاثار۔" (9)

"اہل رائے سے وہ قوم مراد ہے جو اجماعی اور جمہوری مسائل کے علاوہ باقی مسائل میں متقدمین میں سے کسی ایک شخص کے اصول کے پابند ہیں۔ان کا اکثر کام بلا جستجوئے احادیث و آثار، ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس کرنا اور کسی نہ کسی اصول کے مطابق کرنا ہے۔"

اہل حدیث اور اہل رائے میں فرق:

معلوم ہونا چاہیے کہ اہل حدیث اور اہل رائے میں اصلا یہ فرق نہیں ہے کہ پہلا گروہ قیاس و استنباط کا منکر اور دوسرا گروہ استنباط و قیاس کا قائل ہے کہ جو شخص بھی قیاس و استنباط کرے گا وہ اہل رائے میں شمار ہو گا اور جو شخص قیاس و استنباط سے انکار کرے گا وہ اہل حدیث میں شمار ہو گا۔حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

"وجدت بعضہم یزعم ان ہناک فرقتین لا ثالث لہما الظاہریة واہل الرای وان کل من قاس واستنبط فہو من اہل ا لرای کلا ۔" (10)

مذکورہ اقتباس میں دو تین بنیادی نکات پائے جاتے ہیں؛ قیاس و استنباط کے قائل کو مطلقا اہل رائے سمجھنا درست نہیں ہے اور نہ ہی اس کے منکر کو اہل حدیث قرار دینا صحیح ہے بلکہ قیاس سے انکار کرنا اہل ظاہر کا کام ہے۔اہل حدیث کو استنباط مسائل سے قطعا انکار نہیں ہے، اس کے باوجود اہل حدیث کو اہل رائے یا اہل رائے کو اہل حدیث قرار نہیں دیا جائے گا۔مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ رقم فرماتے ہیں:

"باوجود اس کے کہ اہل حدیث بھی آیات و احادیث سے استنباط و استخراج کرتے ہیں پھر ان کا نام اہل حدیث ہی ہے اور باوجود اس کے کہ دوسرے بھی حدیث نبوی ایک اصل اور ماخذ قرار دیتے ہیں لیکن ان کو اہل حدیث نہیں کہتے

بلکہ کسی کو اہل ہوی اور کسی کو اہل رائے کہتے ہیں۔"(11)

اہل حدیث بھی اگرچہ مسائل کا استنباط کرتے ہیں تاہم اس باب میں ان کا اپنا ایک خاص اسلوب ہے کہ انہوں نے آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کے عمومات و اشارات پر غور و فکر کیا اور مشترکہ علت کی بنا پر مسائل کو ایک دوسرے پر قیاس کیا ہے مگر اس عمل کے دوران کسی صاحب کے مقرر کردہ اصول کے پابند نہیں رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

"فان عجزوا عن ذلک ایضا تاملوا فی عمومات الکتاب والسنة ایمآتها و اقتضائها وحملوا نظیر المسئلة علیها فی الجواب اذا کانتا متقاربتین بادی الرای لا یعتمدون فی ذلک علی قواعد من الاصول۔" (12)

"آیات و احادیث و آثار کے دستیاب نہ ہونے پر وہ، (اہل حدیث) قرآن وحدیث کے عمومات و اشارات میں اور ان معانی میں غور وفکر کرتے، جن کو عبارت چاہتی ہے اور جب سرسری نظر میں دو مسائل ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں تو ایک مسئلہ کو دوسرے پر محمول کرتے اور اصول کے مقررہ قواعد پر اعتماد نہ کرتے۔"

مذکورہ اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیث اور اہل رائے میں بنیادی فرق استنباط و قیاس کرنے یانہ کرنے کا نہیں ہے بلکہ ان کے مابین فکر ونظر اور منہج استدلال کے متعدد فروق ہیں، ذیل میں ہم انہی کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

پہلا فرق:رائے کا استعمال

اہل حدیث اور اہل رائے میں ایک فرق رائے کے استعمال کا ہے۔اہل حدیث نے امکانی حد تک شرعی مسائل میں رائے دہی سے اجتناب کیا ہے چنانچہ ان کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش آتا تھا ، وہ کوشش کرتے تھے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث تلاش کریں یا کسی اثر کو اس کی بنیاد بنائیں اور رائے سے گریز کریں۔دوسری جانب اہل رائے کا یہ عالم تھا کہ وہ پیش آمدہ مسائل پر اپنی رائے کا بے باکانہ اظہار کیا کرتے یا کسی ما قبل صاحب کی رائے نقل کر دیتے مگر حدیث کی تلاش یا نقل سے انتہائی حد تک احتیاط کیا کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اہل حدیث کے بارہ میں رقم فرمایا ہے:

" معلوم ہونا چاہیے کہ سعید بن مسیبؒ، ابراہیم نخعیؒ، ابن شہاب زہریؒ کے زمانہ اور امام مالکؒ اورسفیان ثوریؒ کے زمانہ میں بھی اور ان کے بعد بھی اہل علم کی ایک ایسی جماعت موجود تھی جو رائے میں غور وخوض کرنے کو نا پسند جانتی تھی، وہ فتوی اور استنباط کرنے سے ڈرتے تھے الا یہ کہ کوئی بہت ہی ضرورت ہوتی اور کوئی چارہ ہی نہ ہوتا۔رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو نقل کرنا ہی ان کا اکثر کام تھا۔" (13)

مذکورہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیث نے امکانی حد تک رائے دہی سے اجتناب کیا ہے اور پیش آمدہ مسائل سے متعلقہ احادیث تلاش کرنے یا روایات نقل کرنے میں مشغول رہے ہیں یہی باعث ہے کہ ان کے پاس احادیث و آثار کا وسیع ذخیرہ موجود تھا۔اہل حدیث کے برعکس اہل رائے احادیث کی تلاش یا روایات کی نقل سے گریزاں رہے ہیں مگر پیش آمدہ مسئلہ میں رائے کا اظہار کرنا یا فتوی دینا ان کے نزدیک چنداں معیوب نہ تھا۔

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اہل رائے کی بابت رقم فرمایا ہے:

" ان (اہل حدیث) کے بالمقابل امام مالکؒ اورسفیان ثوریؒ کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی اہل علم کی ایک ایسی جماعت موجود تھی جو سوالات کو ناپسند نہیں کر تے تھے اورنہ ہی فتویٰ دینے سے ڈرتے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ دین کی بنیاد فقہ ہے لہذا اس کی نشر واشاعت لازم ہے۔یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی احادیث نقل کرنے اور انہیں آپ تک منسوب کرنے سے ڈرتے تھے۔" (14)

دوسرا فرق؛ فرضی مسائل

اہل حدیث اور اہل رائے میں ایک فرق، قبل از وقوع مسائل کے متعلق رائے دینا بھی تھا۔اہل حدیث کے نزدیک جب تک کوئی مسئلہ پیش نہ آیا ہو، اس کے بارے اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے اور فرضی مسائل پیش کرنا یا مفروضات پر کسی رائے کا اظہار کرنا بھی درست نہیں ہے۔اہل حدیث کے خیال میں اجتہاد ایک ضر ورت ہے اور ضرورت ہی کے تحت مباح ہے لہذاجب تک ضرورت نہ ہوگی، اس وقت تک اجتہاد بھی نہ ہو گا۔ اہل حدیث کے برعکس اہل رائے کے نزدیک مستقبل کے پیش آمدہ مسائل بلکہ فرضی مسائل تک میں اجتہاد کرنا جائز ہی نہیں بلکہ ایک مستحسن اقدام بھی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے جب ان مسائل کی بابت سوال کیا جاتا تھا، جو ابھی واقع ہی نہ ہوئے تھے بلکہ سوال در سوال سے انہیں فرض کیا جاتا تھا، اس کے جواب میں امام صاحب فرماتے : ہمیں ان پیداکردہ مسائل سے دو ر ہی رکھو۔ (15)

ڈاکٹر مصطفی سباعیؒ نے امام مالکؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے :

"امام مالکؒ سے ان کے بعض شاگردوں نے ایک دن کسی مسئلہ کے بارے سوال کیا اورامام صاحبؒ نے اس کا جواب دیا۔اس پر ان کے ایک شاگرد نے پوچھا: فرض کریں ایسا ہو، پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ اس پر امام مالکؒ کوغصہ آگیا اور آپ نے اس سے پوچھا: کیا آپ أرایتین میں سے ہیں؟ کیا آپ عراق سے آئے ہیں؟۔" (16)

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے مذکورہ اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک فرضی مسائل پیدا کرنا اور ان پر رائے دینا نا پسندیدہ ہی نہیں بلکہ معیوب بھی ہے مگر ان کے برعکس اہل رائے نے فرضی مسائل اور سوال در سوال کی بنا پر فقہ تقدیر ی کے نام سے ایک علمی ذخیرہ ورثے میں چھوڑا ہے۔اہل رائے نے جن فرضی مسائل میں اجتہاد کیا، بعض اوقات وہ مسائل ممکنات میں سے ہوتے ہیں مگر بعض دفعہ ان کا وقوع پذیر ہونا ناممکنات میں سے ہوتا تھا۔فرضی مسائل کی ایک مثال یہ ہے کہ مردکے اگر دودھ اترآئے اور وہ کسی بچے کو پلا دے تو اس سے رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ (17)

شیخ ابو زہرہ مصریؒ اہل رائے کی بابت رقم فرما ہیں:

"اہل رائے کا اصول یہ تھا کہ وہ کثرت سے رائے کی بنیادپر فتوی دینے کے عادی تھے، اور جب تک کسی زیر غور مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث ان کے علم میں نہیں آجاتی تھی وہ صرف مسائل میں استخراج احکام کی دراست پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ان مسائل پر بھی جو ابھی واقعہ نہ ہوئے ہوں، ایک مفروضہ کی حیثیت سے غور کر کے اپنی رائے سے احکام وضع کر دیا کرتے تھے۔" (18)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

تیسرا فرق: تقلید کا مسئلہ

اہل حدیث اور اہل رائے میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ حضرات ائمہ کرام کے اجتہادات کی نوعیت کیا ہے؟ کیا ائمہ کرام میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا لازم ہے؟ ان کے اجتہادات دائمی ہیں یا ان کی حیثیت عارضی ہے ؟ اہل حدیث کے نزدیک ائمہ کے اجتہادات اور ان کی آراء کو دائمی حیثیت حاصل نہیں ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک کی تقلید کو لازمی قرار دیا جا سکتا ہے اہل حدیث کا خیال یہ ہے کہ تمام زمان و مکان کے اہل علم کتاب وسنت کی نصوص کی روشنی میں، اپنے اپنے واقعاتی مسائل کے مطابق اجتہاد کریں گے اور عوام اپنے معاصر اہل علم کے اجتہادات کا اعتبار کریں گے۔اہل حدیث کے برعکس اہل رائے نے ائمہ کرام کے اجتہادات اور فقہی آراء کو دائمی حیثیت حاصل ہے چنانچہ انہوں نے قیامت تک ان کی تقلید کو ایک انتظامی مسئلہ کے طورپر لازم قرار یا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تقلید کی بابت اہل حدیث کا موقف رقم فرمایا ہے:

"لم یکن عندھم من الرای ان یجمع علی تقلید رجل واحد ممن مضی مع ما یرون من الاحادیث والاثار المناقضة لکل مذھب من تلک المذاہب ۔"(19)

"اہل حدیث کی رائے یہ نہ تھی کہ پہلوں میں سے کسی ایک کی تقلید کریں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ پہلے لوگوں میں سے ہر ایک کے مذہب کے خلاف متعدد احادیث اور آثار موجود ہیں۔"

مذکورہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک تقلید کا وجود تک نہیں ہے نہ وہ اصول میں تقلید کے قائل ہیں اور نہ ہی فروع میں تقلید کرنا، ان کے خیال میں جائز ہے۔اہل حدیث اس وجہ سے تقلید نہیں کرتے کہ تقلید کی صورت میں ان احادیث و آثار کو چھوڑنا پڑے گا، جو قول امام کے خلاف پڑتی ہوں گی اور ایسا رویہ اہل حدیث کو قطعا گوارہ نہیں ہے۔اس کے برعکس اہل رائے میں تقلید کا رجحان پایا جاتا تھا۔امام ابو حنیفہؒ نے ابراہیم نخعیؒ کے اصول و قواعد کا بھرپور لحاظ رکھا بلکہ ان کی تقلید کا حق ادا کر دیا ہے۔شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

"وکان ابو حنیفة الزم بمذہب ابراہیم واقرانہ لا یجاوزہ الا ما شاءاللہ و کان عظیم الشان فی التخریج علی مذہبہ دقیق النظر فی وجوہ التخریجات مقبلا علی الفرع اتم اقبال۔"(20)

اہل رائے میں تقلید کا عالم یہ ہے کہ ان کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ اہل زمین پر اللہ تعالیٰ کی حجت، رسول اللہ کا معجزہ اور اہل اسلام پر حکم ہیں ، آپ کی تقلید کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی آپ ہی کے مذہب پر فتوی دینا ہے۔علامہ ابن عابدینؒ رقم فرماتے ہیں:

"حاصل کلام یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ قرآن مجید کے بعد رسول اللہ ﷺ کے عظیم معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں۔امام صاحب کے مناقب میں اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کا کوئی قول بھی ایسا نہیں ہے، جس کے مطابق ائمہ اعلام میں کسی نے فتوی نہ دیا ہو۔اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کو اپنے زمانہ سے لے کر آج کے دن تک اپنے اصحاب اورمتبعین پر حکم بنایا ہے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ آئیں گے اور وہ بھی امام صاحب کے مذہب پر فتوی جاری کریں گے۔"(21)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

یہی باعث ہے کہ احناف میں عملاً امام ابو حنیفہؒ ہی کے فتوی پر عمل کیا جاتا ہے اور اصحاب ابی حنیفہؒ کے بعد کے حنفی اہل علم وفضل اپنے متقدمین کی تقلید سے باہر نہیں نکلتے ہیں بلکہ اسے لازم قرار دیتے ہیں۔بلکہ بقیہ ائمہ مجتہدین کی تقلید سے بالمقابل بھی اپنے امام کی تقلید پر تائید، اصرار اور زیادہ زور دیتے ہیں فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

"حنفی ارتحل الی مذہب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یعزر۔"

"حنفی اگر شافعیؒ کا مذہب اختیار کرے گا، اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔"(22)

چوتھا فرق؛ قانون سازی کا مسئلہ

اہل حدیث اور اہل رائے میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ حضرات ائمہ کرام کے اجتہادات کو مستقل قانون کادرجہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اہل حدیث کے نزدیک کسی امام یا فقیہ کے اجتہادات یا فقہی آراءکو قانون کے طور پرنافذ کرنا درست نہیں ہے بلکہ اصل نفاذ کتاب وسنت ہی کا ہو گا اور عدلیہ میں موجود قاضی اور جج براہ رست کتا ب وسنت کی روشنی میں فیصلے کریں گے۔ان کے برعکس اہل رائے کا خیال یہ ہے کہ ائمہ کرام کے اجتہادات یا فقہی آراءکو قانون کے طور پر نافذ کرنا جائز ہے اور دوسرے ارباب اجتہاد یا اصحاب علم یا عوام کو بذریعہ قانون سازی ایک متعین فقہ کا پابند بنایا جا سکتا ہے۔

ابو نعیم اصفہانیؒ فرماتے ہیں:

"میں نے امام مالکؒ سے سنا ، انہوں نے فرمایا: مجھ سے خلیفہ ہارون الرشید نے تین چیزوں کے بارے میں مشورہ کیا؛ پہلی بات یہ تھی کہ موطا کو بیت اللہ پر لٹکا کر لوگوں کو اس پر عمل کاپابند بنا دیتے ہیں .... امام مالکؒ نے جواب دیا: اے امیر المومنین! جہاں تک موطا کو بیت اللہ پر لٹکانے کا معاملہ ہے، رسول اللہ کے صحابہ کرامؓ میں فروعات دین بارے اختلاف تھا اور وہ مختلف علاقوں میں پھیل گئے ہیں ان میں سے ہرایک اپنی رائے کو صحیح سمجھتا تھا۔اس پر خلیفہ نے کہا: اے ابو عبداللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو مزید علم کی توفیق دیں۔"(23)

مذکورہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ کی رضا کی صورت میں عوام کو موطا کا پابند بنا دیا جانا تھا مگر امام صاحب نے اس سے انکار کر دیا اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ علماءکے درمیان اجتہادی اختلاف ہوتا رہتا ہے اور اس میں وسعت کی گنجائش بھی موجود ہے مگر اس کی بنا پر عوام یا خواص کو کسی صاحب اجتہاد کا پابند بنانا درست نہیں ہے۔اہل حدیث کے برخلاف اہل رائے کا خیال یہ ہے کہ زیادہ علم رکھنے والا صاحب اجتہاد یہ حق رکھتا ہے کہ وہ حضرات بھی اس کے پابند رہیں، جو علم میں اس سے کم تر ہیں گویا اہل رائے کے نزدیک اعلم صاحب اجتہاد کی آراءکو قانون بنا کر نافذ کرنا اور دیگر حضرات کو اس کا پابند بنانا جائز ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زوحیلیؒ رقم کرتے ہیں:

"کیا اپنے سے زیادہ فقیہ کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا کسی صاحب اجتہاد قاضی کو جائز ہے؟ امام ابو حنیفہؒ کے مطابق صاحب اجتہاد قاضی کو اپنے سے بڑے فقیہ کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے جبکہ صاحبین کے نزدیک اعلم کی رائے کے مطابق فیصلہ کر نا قاضی کے لیے جائز نہیں ہے۔"(24)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مذکورہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل رائے میں اس مسئلہ کی بابت باہمی اختلاف ہے کہ بڑے صاحب اجتہاد کی رائے کو نافذ کر نا اوردیگر کا اس کی پابندی کرنا جائز ہے یا نہیں، اس کے باوجود فتوی امام صاحب کے قول پر ہے یہی باعث ہے کہ سلطنت عثمانیہ میں حنفی فقہ کی بنیاد پر 'مجلۃ الاحکام العدلیۃ' کے نام سے دیوانی قانون نافذ کیا گیا اور مصر میں بھی تقریبا1920ءتک فقہ حنفی کے قانون پر ہی فیصلے ہوتے رہے ہیں۔مصر کے بعض سلفی اہل علم کی کاوشوں سے قانون سازی کے عمل میں دیگر فقہ جات سے بھی استفادے کا آغاز ہوا۔سعودی عرب کا قانون بھی مدون شکل میں موجود نہیں ہے بلکہ وہاں کتاب وسنت کا عملی نفاذ ہے اور قاضی حضرات علوم شریعت کے ماہر ہیں خود پاکستان کے حنفی اہل علم بھی ملک میں فقہ حنفی کے نفاذ کو درست اور جائز سمجھتے ہیں مگر اہل حدیث اس کے خلاف ہےں اور کتاب وسنت کے نفاذ کے دعویدار ہیں!

پانچواں فرق؛ اخبار آحاد کا مرتبہ:

اہل حدیث اور اہل رائے میں ایک فرق اخبار آحاد سے متعلق ہے کہ اخبار آحاد کا قرآن کریم کے ساتھ تعلق کیا ہے؟ اہل رائے قرآن مجید کے عمومات کو قطعی الدلالہ سمجھتے ہیں اور اخبار آحاد یا احادیث مبارکہ سے عمومات قرآن کی تخصیص، ان کی تقیید یا ان پر اضافہ کے قائل نہیں ہیں جبکہ اہل حدیث کے نزدیک اخبار آحاد کی بنا پر کتاب اللہ کے عمومات کی تخصیص کرنا، اس کے مطلق کی تقیید کرنا، اس کے مجمل کی تفصیل کرنا اور اس کے بعض احکام پر اضافہ کرنا جائز ہے۔

شیخ ابو زہرہ مصریؒ رقم کرتے ہیں:

" فقہائے قیاس اور فقہائے سنت کے مابین یہی نقطہ اختلاف ہے کہ فقہائے قیاس عمومات قرآن کریم کو ان کے عموم پر رہنے دیتے ہیں اور احادیث آحاد سے ان کی تخصیص نہیں کرتے اورفقہائے سنت .... اخبار آحاد تک کو قرآن کریم کی مبین قرار دیتے ہیں اور احادیث مبارکہ سے قرآن کے عام کی تخصیص، مطلق کی تقیید، مجمل کی تفصیل اور مبہم کی توضیح کرنا جائز سمجھتے ہیں۔"(25)

اہل رائے کا حدیث کو عموم قرآن کی تفسیر نہ بنانا اس وجہ سے بھی تھا کہ کوفہ اس دور میں وضع حدیث کا مرکز تھا۔خوارج وشیعہ کا فتنہ اسی شہر سے اٹھا تھا اور ان دونوں فرقوں نے اپنے مذاہب وافکار کی تائید میں احادیث وضع کی تھیں۔یہی وجہ تھی کہ عراق کے فقہائے اہل سنت نے حدیث کے ردو قبول کا ایسا معیار مقرر کر رکھا تھا کہ جس پر بہت کم احادیث پورا اترتی تھیں۔اس قدر سخت معیار مقرر کرنا اس دور کی ایک مجبوری بھی تھا کیونکہ احادیث نقل ہو رہی تھیں مگر ان کی تحقیق کا کام ابھی شروع نہیں ہوا تھا بلکہ صحیح، ضعیف اور موضوع روایات آپس میں خلط ملط تھیں۔شاید یہی باعث تھا کہ اہل رائے نے اخبار آحاد کی بنا پر قرآن کریم کی توضیح و تخصیص کا کام نہ کیا۔

شیخ عاصم الحدادؒ رقم فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں عراق بدعات، خواہشات پر مبنی باطل نظریات اور سیاسی وکلامی فرقوں کے مابین سخت کش مکش کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اوراس میں جھوٹ زوروں پر تھا حتی کہ رسول اللہ کی احادیث بھی اس سے محفوظ نہ رہی تھیں اور ان حدیث کی چھان پھٹک کرنا، ان کے راویوں کے حالات معلوم کرنا اور ان کی سندوں پر غور وفکر کر کے صحیح احادیث کو ضعیف اور موضوع احادیث سے الگ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔اس لیے ان حضرات نے اپنا زیادہ تر اعتماد قرآن کریم پر رکھا، جو قطعی الثبوت تھا اور اس کے ظواہر و عمومات پر انہوں نے کوئی پابندی نہ لگائی۔"(26)

خلاصہ کلام:

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث اور اہل رائے کی تاریخ بہت پرانی ہے اور امت مسلمہ میں اجتہاد واستنباط کے باب میں وہ مستقل مناہج فکر تا حال قائم ہیں۔آج بھی ہم ڈاکٹر محمد یوسف قرضاویؒ اور علامہ البانیؒ کے فتاویٰ کا تقابلی مطالعہ کریں تو یہ فرق واضح طور پر دکھائی دیتا ہے کہ قرضاوی صاحب کے ہاں محدود نصوص نقل کرتے ہوئے تفقہ واستنباط کا پہلو غالب ہے جبکہ شیخ البانیؒ کے ہاں کسی کسے مسئلہ میں عموما کثرت احادیث وآثار کا بیان ہوتا ہے۔یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر دور میں بعض اہل علم نے اہل حدیث اور اہل رائے کے منہج کو جمع کرنے کی کوشش کی مثلا امام شافعیؒ نے امام مالکؒ کی شاگردی کے بعد امام محمدؒ سے تفقہ کی تعلیم حاصل کی اور امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے شرف تلمذ کے بعدامام مالکؒ سے کسب فیض کیا۔اگرچہ امام محمدؒ سے استفادہ کے باوجود امام شافعیؒ پر اہل حدیث کا منہج غالب رہا ہے اور امام مالکؒ سے کسب فیض کے بعد بھی امام محمدؒ پر اہل رائے کا منہج چھایا رہا ہے۔مقالہ نگار کے خیال میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان دونوں مناہج کو کمال درجے میں جمع کیا ہے جس کا شاہکار 'مجموع الفتاوی 'ہے۔امام صاحب نے ایک طرف اہل حدیث کے منہج کو آگے بڑھاتے ہوئے حدیث وسنت کے بالمقابل کسی امام کی تقلید کو حرام قرار دیا اور دوسری طرف اہل رائے کے منہج پر چلتے ہوئے قیاس وعلت کے باب میں حکمت کا تصور دے کر قیاس کو جمود سے نکالااور اسلام کو ہر زمانہ کے لےے ایک حر کی قوت بنا دیا۔جن فقہاءکرام نے اہل حدیث اور اہل رائے کے دونوں مناہج کو جمع کیا، انہیں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان حضرات کو 'فقہائے محدثین 'کا لقب دیا ہے اور ان کی اتباع کا مشورہ دیا ہے

حوالہ جات

[1]۔ شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، کتاب الملل والنحل، ادارہ قرطاس کراچی، طبع دوم، 2007ء، 1/206

[2]۔ ابن خلدون، علامہ، مقدمہ، الفصل السابع، در الجیل بیروت، لبنان، س ن

[3]۔ ابن خلدون، مقدمہ، الفصل السابع

[4]۔ ایضا

[5]۔ ایضا

[6]۔ شہرستانی، کتاب الملل والنحل، 1/206

[7]۔ ابن خلدون، مقدمہ، الفصل السابع

[8]۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، طبع منیریہ، مصر، س ن، ص158

[9]۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ہیئۃ الاوقاف بحکومۃ البنجاب، لاہور، 1971ء، 89

[10]۔ ایضا

[11]۔ سیالکوٹی، محمد ابراہیم، مولانا، تاریخ اہل حدیث، المکتبۃ الرحمن السلفیہ، سرگودھا، س ن، 143

[12]۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، 37

[13]۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، 311

[14]۔ ایضا، 319

[15]۔ الحنبلی، عبد الرحمن بن شہاب الدین، ابن رجب، جامع العلوم الحکم، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، 94

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

[16]۔ سباعی، مصطفی، الدکتور، السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، المکتب الاسلامی، 2000ء، 440

[17]۔ امیر علی، سید، فتاویٰ عالمگیری، کتاب الرضاع؛ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، س ن

[18]۔ مصری، ابوزہرہ، شیخ، آثار امام شافعی، مترجم سید رئیس احمد جعفری، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 141

[19]۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، 36

[20]۔ ایضا، 24

[21]۔ دمشقی، محمد امین عابدین، علامہ، رد المحتار علی الدر المختار المعروف بالفتاوی الشامیۃ، 1/142

[22]۔ امیر علی، فتاویٰ عالمگیری، کتاب الحدود، باب فصل فی التعزیر،

[23]۔ الاصبہانی، احمد بن عبد اللہ، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، الطبعۃ الخامسۃ، 1987ء، 6/332

[24]۔ زوحیلی، وہبہ، الدکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہا، مکتبۃ الافلاح، الکویت، 1982ء، 8/88

[25]۔ مصری، ابوزہرہ، شیخ، حیات امام ابو حنیفہ، مترجم غلام احمد حریری، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، طبع دوم، 1983ء، 102

[26]۔ الحدداد، محمد عاصم، اصول فقہ پر ایک نظر، فاران اکیڈمی اردو بازار، لاہور، 2013ء، 60، 61